تاثرات

فلسفہ کانگرس کا سالانہ اجلاس

ابکی حسب قاعدہ حیدر آباد سندھ میں مارچ کے وسط میں فلسفہ کانگرس کا سالانہ اجلاس منعقد ہوا۔ ہمیں افسوس ہے کہ ہم اپنی تصنیفی مصروفیات کی وجہ سے اس کی مختصر روداد بروقت پیش نہیں کر سکے۔ یہ اجلاس کیا ہوتا ہے؟ بس یہ سمجھ لیجئے کہ شرکاء تین چار دن گویا خالص فکر کی اونچی اور پُر بہار فضاؤں میں سانس لیتے ہیں۔ جہاں زمان و مکان کی قیود، رسم و رواج کی جکڑ بندیاں اور تقلید و تنقید کی ارضی پابندیاں قطعی پرواز میں حائل نہیں ہوتیں۔ اور جہاں مسائل پر صرف مسائل کے نقطۂ نظر سے غور و فکر ہوتا ہے۔ تین سال کی متواتر حاضری سے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ الحمد للہ ہمارے نوجوانوں میں فکر و مطالعہ کی وہ تمام صلاحیتیں موجود ہیں جو کسی زندہ قوم کے نوجوانوں میں پائی جا سکتی ہیں۔ یعنی ان کے مقالوں میں اُسی جستجو، اسی شوقِ تحقیق اور اسی گہرائی کی جھلک نمایاں ہے، جو فلسفیانہ ذوق کی تکمیل کے لئے اشد ضروری ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ان کی ان خداداد صلاحیتوں کو چمکانے اور جلا دینے کے زیادہ سے زیادہ مواقع مہیا کئے جائیں۔ اور ایسی ذہنی طمانیت اور فراغت و یکسوئی کی کیفیتیں پیدا کی جائیں۔ کہ جن سے ان کے فکری ارتقاء کو خاطر خواہ مدد ملے۔ اور یہ ملک میں سوچ سمجھ اور شعور و ادراک کے دواعی کو بیدار کرنے میں کامیاب ہو سکیں۔

جناب آئی۔ آئی قاضی سے متعلق ہم نے پُرانے رفیق اور مخلص دوست مظہر الدین صاحب صدیقی سے بہت کچھ سن رکھا تھا، ان کو یہاں پہلی دفعہ دیکھا۔ اس میں شبہ نہیں کہ ان کی شخصیت میں ایک طرح کا وقار، جوش اور بھرپور اسلامیت ہے، ان کے اندازِ تقریر کی یہ خوبی داد کے قابل ہے کہ جب بھی کوئی بات کرتے ہیں، تو پورے پورے اذعان کے ساتھ اور ایک خاص ادا اور سٹائل کے تحت فلسفیانہ مسائل کے بارہ میں ان کے سوچنے کا اسلوب بقول مسٹر آئیر کے ہربرٹ اسپنسر کے دَور کا ہے۔ تاہم یہ نہیں کہا جا سکتا کہ نئے افکار ان کے زیر مطالعہ نہیں ہیں۔

باہر سے آنے والے نمایندوں میں قابلِ ذکر حضرات یہ ہیں۔ (۱) امریکن فیلا سافیکل ایسوسی ایشن کے صدر مسٹر فش۔ (۲) مسٹر آئیر جو لنڈن یونیورسٹی میں پروفیسر ہیں اور جن کا خاص مضمون پازیٹیوزم ہے (یہ منطق اور فلسفہ کی جدید ترین شاخ ہے)۔ (۳) ڈاکٹر اینگ ہاس، یہ بہت پُرانے اور عمر رسیدہ جرمن فلسفی ہیں اور ایک نامور فلسفی

کے بیٹے ہیں، جرمنی کی تقسیم کے بعد ان کو مغربی حصے کا پہلا وائس چانسلر مقرر کیا گیا۔

ان کے بارہ میں دلچسپ لطیفہ یہ ہے کہ یہ اپنے خیالات میں بہت کٹر ہیں، اور ان کی یہ پختہ رائے ہے جس کا انہوں نے برملا اظہار بھی کیا، کہ مغربی علماء نے یونانی فلسفہ کی بالعموم اور جرمن حکماء کی بالخصوص غلط ترجمانی کی ہے۔ اس سلسلہ میں رسل کے متعلق ان کی تنقید اتنی سخت تھی کہ اس سے جرمن عصبیت کی صاف بو آتی تھی۔

سوڈان سے ابراہیم صاحب نور ایک نوجوان بھی تشریف لائے تھے۔ یہ خرطوم یونیورسٹی میں فلسفہ کے استاذ ہیں۔ ان کے مقالہ سے یہ تاثر نمایاں تھا کہ فلسفہ صرف گوری قوموں ہی کی میراث نہیں۔ بلکہ اگر موقع ملے تو کالی قومیں بھی روح وفکر کی صیقل گری کا باعث ہو سکتی ہیں۔

رشین ڈیلیگیشن ابکی نہیں آسکا، جس کی وجہ سے اجلاس میں کچھ خلا سا رہا۔ ان کی شرکت سے دو اہم فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ ایک تو ہمیں ان کے مقالوں سے معلوم ہو جاتا ہے کہ خالص اشتراکی ریاست میں عقلی اقدار کا کیا حال ہے؟ اور مادی جدلیت کے تصوّر کی تشریح و تعبیر کے سلسلہ میں کیا نیا ارتقاء واقع ہوا ہے۔ دوسرے اشتراکی وفد کو دنیا کی تازہ ترین فکری تحریکات سے آزادانہ دوچار ہونے کا موقع ملتا ہے۔ اور بعض مسائل کے حل میں تو ہم نے دیکھا ہے کہ ان کے احساسات یہ ہوتے ہیں کہ گویا بالکل ہی نئے خیالات کا سامنا ہے۔

ہمارے نزدیک اختلاف رائے قطعی معیوب نہیں، بلکہ ان میں خیر کا پہلو بہت نمایاں ہے۔ اگر ساری دنیا کچھ مسائل و نظریات پر متفق ہو جائے، تو انسانی تہذیب و تمدّن کی ترقی ایک دم رُک جائے۔ چنانچہ یہ اختلاف رائے ہی کا نتیجہ اور برکت ہے کہ آج انسان علوم وفنون کی گوناگونی اور ارتقاء و تقدم کی گہما گہمی سے مالا مال ہے۔ مادی جدلیت بھی زندگی اور تاریخ سے متعلق ایک خاص تجزیہ اور نقطۂ نظر کا نام ہے۔ اور اس کی فی الجملہ افادیت سے بھی انکار ممکن نہیں۔ اس لحاظ سے دیکھئے تو یہ بہرحال شائستہ التفات ہے۔ اور اس لائق ہے کہ اس پر غور و فکر ہو۔ مگر مصیبت یہ ہے کہ اس کے ماننے والوں نے اسے نقطۂ نظر کے بجائے "مذہب" قرار دیا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ "مادی جدلیت" نے ایک ایسے مابعد الطبعی عقیدے کا روپ دھار لیا ہے کہ جس کی تعبیر و تشریح کا حق صرف روس کی کمیونسٹ پارٹی کو حاصل ہے۔ حالانکہ اگر یہ ایک فلسفیانہ حقیقت ہے اور تاریخ و زندگی کا خاص زاویۂ نظر ہے تو ہر شخص کو اس بات کا مجاز ہونا چاہئے کہ وہ معاشرہ اور سوسائٹی کا اس زاویۂ نظر سے جائزہ لے سکے اور بتلا سکے کہ یہ موجودہ دور میں کس مرحلہ سے گذر رہی ہے۔ اس میں کیا اضداد پیدا ہو رہے ہیں اور ان کی نفی کی کیا شکل ہے؟ فلسفہ کانگرس کے سالانہ اجتماعات کی بہت بڑی افادیت ہمارے نزدیک یہی ہے کہ اس میں روس کے اہلِ فکر کو ایک نیا اور صحت مند فکری ماحول ملتا ہے جس میں ان کے سامنے زندگی اور تاریخ کے بارے میں کچھ دوسری قسم کی تعبیرات و تشریحات سے آشنا ہونے کا بھی موقع ملتا ہے۔

ڈھاکہ اور کراچی سے بھی حسب روایت دوستوں کی ایک اچھی خاصی ٹیم آئی۔ ڈاکٹر ڈیلو، مسٹر کاظم الدین، ڈاکٹر صغیرالحسن معصومی صاحب اور خواجہ آشکار صاحب خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

سمپوزیم کا موضوع تھا کلیات کا نیچر ( ) موضوع بہت پرانا ہے۔ فیثا غورث کے نظریۂ اعداد سے اس کی ابتدا ہوئی، اور افلاطون کی روحانی نکتہ سنجیوں نے اسے چمکایا، اور متعین شکل میں پیش کیا۔ پھر اسمیین اور حقیقت پسند دو گروہ قائم ہوئے اور بحثوں کا ایک سلسلہ چلا۔ اس کے بعد مصالحانہ نظریات نے جنم لیا۔ مگر ان تمام کاوشوں کے باوجود یہ مسئلہ چونکہ حل نہ ہونا تھا، اس لئے حل نہ ہو پایا۔ چوہدری عبدالقادر صاحب نے اس کا افتتاح کیا، اور ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ بڑی حد تک یہ زیربحث مسئلہ کی چھان بین میں کامیاب رہے۔ دوسرے شرکاء بحث کا انداز بھی خاصہ صاف اور حوصلہ افزا تھا۔

ناانصافی ہوگی اگر ہم یہ نہ کہیں کہ صدارتی خطبات کا معیار اس سال بہت اونچا رہا۔ خصوصیت سے مذہب و فلسفہ پر سعید شیخ پروفیسر گورنمنٹ کالج کا مقالہ بہت پسند کیا گیا۔

مذہب کی ہمہ گیری کے بارہ میں پلوٹارک نے کتنی اچھی بات کہی ہے "تمہیں ایسے شہر تو نظر آئیں گے جو شہر پناہ اور فصیل کے بغیر ہوں، جن میں کوئی حکمران اور والی نہ ہو، جن میں قصر اور حویلیاں نہ پائی جائیں اور تم ایسے شہر بھی دیکھو گے جن کا کوئی اپنا خزانہ نہ ہو، روپیہ اور دولت نہ ہو، کوئی تفریح گاہ یا تھیٹر نہ ہو۔ مگر ایسا کوئی شہر روئے زمین پر نہیں جس میں خدا کے لئے پرستش گاہیں نہ ہوں، عبادت اور نذر نیاز کے چرچے نہ ہوں، اور کاہنوں اور پروہتوں کی پیش گوئیاں نہ ہوں۔ ایسا کوئی شہر نہ اس وقت کہیں پایا جاتا ہے، اور نہ مستقبل میں انسانی آنکھ کبھی دیکھ سکے گی۔" مگر سوال یہ ہے کہ اس عالم گیر تجربے کی تحقیق و تفحص کے صحیح پیمانے کیا ہیں، سعید شیخ صاحب نے اس سوال کا جواب دینے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ اس سلسلہ میں تھیالوجی، فلسفہ مذہب اور خود فلسفہ اور اس کے متعلقات کا انہوں نے اچھی طرح جائزہ لیا ہے اور بتایا ہے کہ جانچ پرکھ کے پیمانوں کا انسان سے کیا تعلق ہے؟ پتہ کی بات اس سلسلہ میں انہوں نے یہ کہی ہے کہ مذہب ایسا ظہور نہیں ہے کہ کوئی شخص اس سے الگ تھلگ رہ کر صحیح رائے قائم کر سکے اور بغیر اس کو اپنائے اس کی روحانیت، گہرائی، اور لطف آفرینیوں کا ہلکا سا اندازہ بھی لگا سکے۔

اگر کسی شخص کو اس کی اقدار پر بحث کرنا ہے، اس کی لذتوں سے بہرہ مند ہونا ہے، اور اس کی افادیت کے حدود متعین کرنا ہے، تو اس کے لئے ذہن و فکر کو کسی حد تک مذہبی بنانا ہوگا، اور شعور و ادراک میں کسی درجہ میں سہی تدین و مذہبیت کو سمونا ہوگا۔ اس کے بغیر اس کی حقیقتوں کا حال منکشف ہونے والا نہیں۔

بات بالکل سیدھی اور سمجھ میں آنے والی ہے، اگر ایک منطقی کے لئے ضروری ہے کہ منطق کی فضا میں سانس لے اور اسی میں زندگی بسر کرے۔ ایک قانون دان کے لئے ضروری ہے کہ ذہن و فکر کو آئین کے مفہوم سے آشنا کرے،

اور آئین وقانون کے ماحول میں رہے۔ اسی طرح اگر ایک سائینٹسٹ کے لئے ضروری ہے کہ تجربات اور خالص علم کے گرد و پیش سے آشنا ہو تو اتنا ہی ضروری ایک فلسفی کے لئے یہ ہے کہ مذہب کے بارہ میں گفتگو کرنے سے پہلے ذہن کے عادات و اطوار کو مذہب کے سانچے میں ڈھالے۔ اس کی روح کو پہچاننے کے لئے پہلے اس کی روح میں اُترے، اور اس کی تہذیبی وثقافتی برکات کا جائزہ لینے کے لئے پہلے اس ماحول میں زندگی بسر کرے۔ یعنی مطالعہ کا یہ موضوع ایسا ہے کہ باہر رہ کر اس کو معلوم کرنا دشوار ہے، اور خارجی تحقیق وتفحص اس باب میں کامیابی سے ہم کنار نہیں ہو سکتا۔ اس کو جاننے کے لئے اس کا تجربہ کرنا ہوگا۔ اس کے پیدا کردہ فکری وذہنی ماحول میں رہنا ہوگا۔ یہی نہیں اس کے باطن میں سیر و سلوک کے مرحلے طے کرنے ہونگے۔ ورنہ جو نتائج بھی مرتب کئے جائیں گے وہ اس کی حقیقت کی اور روح کی ترجمانی نہیں کر پائیں گے۔ خالی ڈھانچے اور خول کی بات ہوگی۔ سعید شیخ صاحب نے اسی حقیقت کو جس کو ہم نے سادہ لفظوں میں پیش کر دیا ہے، فلسفہ کی اصطلاحوں میں دلیل اور بُرہان کی روشنی میں واضح کیا ہے۔ اس مقالہ کی خوبی اور افادیت کے پیش نظر ہم اُن کو مبارکباد دیتے ہیں۔ خدا کرے ان کی نظر مذہب کے معاملہ میں اس سے بھی زیادہ محیط اور گہری ثابت ہو۔

ضمنی اور ذیلی اجلاس بھی کامیاب رہے۔ اور جگہ کی قلت کے باوجود سندھ یونیورسٹی کے اربابِ اہتمام نے مہمانوں کی تکالیف کا جس درجہ خیال رکھا اس کا شکریہ ادا نہ کرنا ناشکری ہوگی۔

تاثرات نامکمل رہیں گے، اگر ہم یہ نہ کہیں کہ پاکستان میں فکر واندیشہ کی یہ سرگرمیاں اور حکمت وفلسفہ کی یہ رونقیں میاں شریف صاحب اور ان کے رفیقِ مخلص بشیر احمد صاحب ڈار کی سعی، اخلاص اور شبانہ روز محنت کا نتیجہ ہیں۔ میاں صاحب اس بڑھاپے میں جس ذوق وشوق سے ان محافل کا انتظام کرتے ہیں وہ داد کے قابل ہے۔ اسی طرح ڈار صاحب کی کوششیں خاص ستائش چاہتی ہیں۔ یہ انہی کا کام ہے کہ اپنی تصنیفی مصروفیات کے باوجود خود شایانِ شان مقالہ لکھتے ہیں، دوستوں سے لکھواتے ہیں، اور اختتام کے بعد اچھی خاصی روداد چھاپ کر ملک کے تمام دانشوروں تک پہنچاتے ہیں۔ مادیت کے اس دور میں جب کہ ہر شخص ہوسِ زر اور ہوسِ اقتدار میں بُری طرح مبتلا ہے، فکر وحکمت کے یہ روحانی لمحات بسا غنیمت ہیں۔

محمد حنیف ندوی